دورِ حاضر میں مذہب سے بیزاری

محاضرات کے پہلے دن جناب باسط بلال کوشل کا لیکچر بعنوان :

The Modern Predicament of Religion

——— مرتب : ڈاکٹر احمد افضال ———

باسط بلال کوشل کا نام قارئین "حکمت قرآن" کے لئے نامانوس نہیں۔ نیو جرسی امریکہ میں قائم تنظیم اسلامی کی شاخ سے وابستہ اس ہونہار نوجوان نے دو سال قبل قرآن کالج' لاہور سے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کی تکمیل کی تھی۔ قبل ازیں وہ امریکہ کے چوٹی کے تعلیمی اداروں سے سیاسیات (پولیٹیکل سائنس) اور علوم اسلامیہ میں ایم اے کر چکے تھے۔ پچھلے سال باسط بلال نے محاضرات قرآنی کے مرکزی مقرر کے طور پر قرآن آڈیٹوریم میں انگریزی زبان میں لیکچر دیئے اور نہایت عمدگی کے ساتھ فکر جدید کی خامیوں کو اجاگر کرتے ہوئے فکر و فلسفہ کی سطح پر اسلام کی حقانیت کو مبرہن کیا۔ ان کے لیکچرز بہت دلچسپی سے سنے گئے اور متعدد قابل ذکر حلقوں کی جانب سے ان کے بارے میں تحسین آمیز تبصرے سننے کو ملے۔ اس سال وہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے تو ان کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن آڈیٹوریم میں ۱۳/ اور ۱۴ جون کو ان کے دو لیکچرز کا پروگرام ترتیب دیا گیا۔ موسم کی شدت کے باعث گو دونوں دن حاضری پچھلے سال کے مقابلے میں کم رہی تاہم تیسرے دن سوال و جواب کی نشست میں سامعین کی ذوق و شوق کے ساتھ شرکت اس امر کی غماز تھی کہ سامعین نے باسط بلال کے پیش کردہ افکار و خیالات کو غیر معمولی دلچسپی اور توجہ سے سنا ہے۔ باسط بلال کے لیکچرز کا یہ پہلو نہایت غیر معمولی ہے کہ وہ سامع کے علم میں اضافے اور فکری جلا کا موجب ہی نہیں ہوتے اس کے ایمان میں ازدیاد کا باعث بھی بنتے ہیں۔ ذیل میں ان کے حالیہ لیکچرز میں سے پہلے لیکچر کا ترجمہ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے جسے ہمارے رفیق کار ڈاکٹر احمد افضال نے اردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے۔ (ادارہ)

گفتگو کا باقاعدہ آغاز کرنے سے پہلے مہمان مقرر نے واضح کیا کہ اگرچہ اسلام عام معنوں میں محض ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے' تاہم اسلام کی بنیاد بعض "مذہبی" اصولوں پر قائم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر میں اسلام کی صحیح صورتحال کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ "مذہب" کی عمومی صورتحال ہمارے سامنے ہو۔ چونکہ اسلام کی بنیاد میں مذہبی اصول موجود ہیں' لہٰذا جو شے دنیا کے مذاہب پر اثر انداز ہوتی ہے وہ لامحالہ

© rasailojaraid.c

اسلام پر بھی اثر انداز ہوگی۔

اپنے خطاب کے پہلے حصے میں مہمان مقرر نے مذہب کی ضرورت کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ انسان فطری طور پر اس امر سے آگاہ ہے کہ یہ عالم مادی ہی اصل حقیقت نہیں ہے' بلکہ اس عالم کے علاوہ بھی ایک ماورائی اور غیبی عالم موجود ہے۔ مادی اور نظر آنے والی کائنات کے علاوہ ایک نظر نہ آنے والا عالم بھی اپنا وجود رکھتا ہے۔ اول الذکر سے مراد وہ عالم ہے جو سائنسی قوانین کے تابع ہے' خواہ یہ قوانین انسان کے علم میں ہوں یا ابھی اس کے دائرہ علم سے باہر ہوں۔ ثانی الذکر سے مراد وہ عالم ہے جو طبیعیات' حیاتیات' یا کیمیا کے قوانین کے تابع نہیں ہے۔ انسان فطری طور پر اس امر سے بھی خوب واقف ہے کہ زندگی اور وجود کے اہم ترین مسائل کا تعلق اس غیبی اور ماورائی عالم سے جڑتا ہے۔ چنانچہ دور حاضر کا ایک فلسفی Ludwig Wittgenstein کہتا ہے کہ "سائنس کی تمام باتیں سن لینے کے بعد ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ زندگی کے اصل اور بنیادی مسائل تو ابھی زیر بحث ہی نہیں آئے۔" مادی اور نظر آنے والی کائنات کے رازوں کو دریافت کرنے کے حوالے سے سائنس کے کارنامے شک و شبہ سے بالاتر ہیں' لیکن جہاں تک غیبی اور ماورائی عالم کا تعلق ہے تو اس ضمن میں سائنس کا ایک متضاد کردار ہمارے سامنے آتا ہے۔ ایک طرف تو یہ حقیقت ہمارے سامنے موجود ہے کہ سائنس ہمیں عالم غیب کے متعلق کوئی تفصیل نہیں بتا سکتی' لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ آج یہی سائنس عالم غیب کے وجود کو ثابت کر رہی ہے۔ سائنس کے اس متضاد (Paradoxical) کردار کو واضح کرنے کے لئے مہمان مقرر نے دو مثالیں پیش کیں۔ کائنات کی ابتداء کے حوالے سے نظری طبیعیات میں Big Bang کا نظریہ قبول عام حاصل کر چکا ہے۔ یہ نظریہ ثابت کرتا ہے کہ زمان و مکان کی چار جہتوں کے علاوہ بھی بہت سی جہتیں (Dimensions) اپنا وجود رکھتی ہیں' لیکن سائنسی تحقیق کے ذریعے ان غیبی جہتوں سے پردہ اٹھانا ممکن نہیں ہے اسی طرح کائنات میں Black Holes کا وجود بھی ثابت ہو چکا ہے' لیکن سائنس کسی بھی طریقے سے یہ معلوم کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ان Black Holes کے اندر کیا ہے یا کیا ہو رہا ہے۔ جدید نظری طبیعیات

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

(Theoretical Physics) میں کئی نئے نظریات ابھر رہے ہیں، مثلاً Wormholes اور Parallel Universes کا وجود اور پانچ، دس، بلکہ چھبیس جہتی مکان (space) کا تصور۔ لیکن سائنس کے قوانین ان میں سے کسی شے پر بھی منطبق نہیں ہوتے۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ جدید سائنس ایک غیبی عالم کے وجود کا اقرار کرنے کے باوجود اس غیبی عالم کو سمجھ لینے سے قاصر ہے۔ دوسروں لفظوں میں سائنس نے ہمیں عالم شہود (visible realm) کی سرحد تک پہنچا دیا ہے جہاں سے عالم غیب (Invisible realm) کا آغاز ہوتا ہے، لیکن وہ اس عالم غیب کو سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔ صرف مذہب ہی وہ ذریعہ علم ہے جو اس غیبی عالم کو ہمارے لئے قابل فہم بناتا ہے اور عالم شہود اور عالم غیب کے باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ گویا جہاں سائنس اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہے وہاں سے مذہب اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے۔

فاضل مقرر نے کہا کہ اس موقع پر ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ مذہب کا اپنا ذریعہ علم کیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ سائنسی علم کے دو بنیادی ذرائع ہیں : تجرباتی ذرائع (emperical sources) اور تجزیاتی ذرائع (analytical sources)۔ اول الذکر سے مراد وہ علم ہے جو حواس خمسہ کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے اور ثانی الذکر سے مراد وہ علم ہے جو عقل اور منطق کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے۔ فاضل مقرر نے کہا کہ تمام مذاہب تین امور پر متفق ہیں، اولاً ایک خالق جو تمام کائنات کا مالک ہے، ثانیاً اس خالق کا انسانوں میں سے بعض افراد کے ذریعے بقیہ انسانوں کو عالم غیب کے حقائق سے مطلع کرنا، اور ثالثاً موت کے بعد زندگی کا اثبات۔ کائنات کے خالق کی طرف سے بعض مخصوص انسانوں کو عطا ہونے والا علم دراصل مذہبی علم (religious knowledge) کا منبع و سرچشمہ ہے اور یہی وہ ذریعہ علم ہے جسے وحی (revelation) کہا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا سائنس اور وحی کے مابین ذرائع علم ہونے کے حوالے سے کوئی تعلق موجود ہے، اگر ہے تو اس تعلق کی نوعیت کیا ہے؟

فاضل مقرر نے کہا کہ سائنس سے حاصل کردہ علم اولاً حواس خمسہ سے ملنے والی معلومات (sense data) پر مبنی ہوتا ہے اور ثانیاً ان معلومات کی بنیاد پر عقلی غور و فکر

© rasailojaraid.

کے ذریعے مختلف نظریات تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ علم بالحواس میں غلطی کے امکانات بہت ہوتے ہیں کیونکہ انسانی حواس (senses) معلومات کے اخذ میں دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اس علم کی تہذیب و ترتیب اور اسے discipline کرنے کے لئے عقلی و منطقی تجزیہ واستدلال (analytical reasoning) کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اول الذکر کو سائنسی ذریعہ علم میں افقی خط (X-axis) سے اور ثانی الذکر کو عمودی خط (Y-axis) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ فلاسفہ نے صرف ان ہی دونوں ذرائع کو قابل اعتماد ذرائع علم سمجھا ہے اور اسی لئے وہ مذہبی ذریعہ علم یعنی علم بالوحی کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تاہم جدید دور کے سائنس دانوں نے اس ضمن میں نسبتاً محتاط روش اختیار کی ہے' اور وہ بالعموم علم بالحواس اور علم بالعقل کے علاوہ ایک تیسرے ذریعہ علم کو بھی درست اور جائز (valid) سمجھتے ہیں جسے وجدان (intuition) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ذریعہ علم جو نہ محسوسات سے متعلق ہے اور نہ عقلی استدلات سے تعلق رکھتا ہے' ایک تیسرے خط یعنی Z-axis سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ فاضل مقرر نے واضح کیا کہ سائنس کے سیاق و سباق میں Z-axis سے ان کی مراد وحی نبوت نہیں بلکہ الہام و کشف ہے۔

حواس' عقل' اور وحی کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب باسط بلال نے کہا کہ یہ تینوں ذرائع باہم متضاد یا متناقض نہیں ہیں بلکہ درحقیقت یہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ جس طرح عقل کے ذریعے ہم حواس سے ملنے والی معلومات کو نظم و ضبط میں لاتے ہیں' اسی طرح وحی کے ذریعے ہم عقل سے حاصل کردہ نتائج کی صحیح تشریح و تعبیر کرتے ہیں۔ عقل کے ذریعے حواس خمسہ کی غلطیوں کو درست کیا جاتا ہے اور وحی کے ذریعے عقل کی غلطیوں کی تصحیح ہوتی ہے۔ فاضل مقرر نے کہا کہ جدید سائنس کی ترقی دراصل علم بالحواس کو عقلی استدلالی طریقہ کار کے ذریعے نظم و ضبط میں لانے کی بدولت ہوئی ہے' اور اسی طرح انسانی ارتقاء کی اگلی منزل اس وقت طے ہوگی جب ہم عقلی استدلالی طریق کار کو وحی آسمانی سے ملنے والی ہدایت کے تابع کر دیں گے۔

فاضل مقرر نے کہا کہ چونکہ ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں مادی عالم یا عالم مشہود ہی سے براہ راست واسطہ رہتا ہے لہٰذا ہم غیر مادی عالم یا عالم غیب سے غافل ہو جاتے ہیں

© rasailojaraid.com

انہوں نے کہا کہ یہ مذہب ہی ہے جو ہمیں مسلسل یاد دلاتا رہتا ہے کہ اس مادی عالم میں مقصدیت صرف اس کے غیرمادی اور غیبی عالم سے تعلق کی بدولت ہی سمجھی جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر انسانی زندگی صرف موجودہ مادی عالم ہی سے متعلق ہے' اور اس دنیا میں پیدائش سے پہلے ہمارا کوئی وجود یا تشخص نہ تھا اور نہ ہی موت کے بعد ہمارا کوئی وجود یا تشخص ہوگا' تو پھر واقعہ یہ ہے کہ یہ وجود اور یہ زندگی محض بے مقصد قرار پاتے ہیں۔ سورۂ دخان میں قرآن نے کفار کا قول نقل کیا ہے جو کہتے تھے کہ موت انسانی وجود کا خاتمہ کر دیتی اور موت کے بعد کسی زندگی کا وجود نہیں ہے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے زمین اور آسمان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا اور یہ کہ تمہیں لازماً دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی اور وجود کے بامقصد ہونے کا براہ راست تعلق عالم غیب سے جوڑا گیا ہے۔ زندگی اسی وقت بامقصد معلوم ہوتی ہے جب ہم عالم شہود کے علاوہ ایک غیبی عالم کے وجود کا بھی اقرار کریں۔

فاضل مقرر نے بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ مذہب فرد کو اس کے خالق سے قریب کرتا ہے تاکہ وہ موت کے بعد کی زندگی میں فوز و فلاح اور نجات سے ہم کنار ہو سکے۔ دوسری طرف مذہب اجتماعیت کو بھی خدا سے قریب کرتا ہے تاکہ موجودہ زندگی میں امن اور عدل کا قیام ممکن ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ انفرادی سطح پر مذہب کا مقصد آخرت کی فلاح ہے لیکن اجتماعی سطح پر اس کا مقصد اس دنیا کی بھلائی ہے۔ آخرت کی کامیابی فرد کا ذاتی معاملہ ہے لیکن معاشرے میں امن اور عدل کا قیام ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ فرد کی اخروی کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ دنیا میں امن اور عدل پر مبنی نظام قائم کرنے کی جدوجہد میں بالفعل حصہ نہیں لیتا۔

اپنے پہلے لیکچر کے دوسرے حصے میں جناب باسط بلال نے مذہب کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ انسانی میں ہمیشہ اکثریت نے مذہب اور مذہبی اصولوں کو اہمیت دی ہے' تاہم ہر دور میں ایک بااثر اقلیت ایسی موجود رہی ہے جو زوردار آواز میں مذہب اور مذہبی اصولوں کی مخالفت کرتی رہی۔ یہ لوگ ہر دور میں خود کو تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے کی حیثیت سے پیش کرتے رہے ہیں اور ان کے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نزدیک خدا، رسالت، اور آخرت جیسے عقائد کو کوئی تعلیم یافتہ، ذہین، اور جدت پسند شخص صحیح نہیں مان سکتا۔ گویا ان کے نزدیک صرف جاہل، کم عقل اور دقیانوسی لوگ مذہب اور مذہبی اصولوں کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ مذہب کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ اختیار کرنے والی اقلیت ہر دور میں موجود رہی ہے اور مذہب پر "اساطیرالاولین" ہونے کا الزام عائد کرتی رہی ہے۔ جناب باسط بلال نے کہا کہ قرآن کی رو سے ایسے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں بھی پائے جاتے تھے جو وحی پر ایمان لانے کو حماقت اور وحی کو "اگلے وقتوں کی کہانیاں" قرار دیتے تھے اور ایسے لوگ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے۔ تاہم آج کے جدید دور میں مذہب کو جہالت کی نشانی سمجھنے والے اقلیت میں نہیں رہے ہیں بلکہ اکثریت بن چکے ہیں۔ یہاں تک "مذہبی" کہلانے والے لوگ بھی غیر شعوری طور پر اسی قسم کے خیالات قبول کر چکے ہیں۔ فاضل مقرر نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہ افراد بھی جو ہمارے معاشرے میں مذہب کے علمبردار بلکہ اس کے احیاء کے دعویدار ہیں، اپنے بچوں اور بچیوں کو مذہبی تعلیم کی طرف نہیں بھیجتے۔ ان کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بظاہر مذہب کے حامی ہونے کے باوجود ذہنی طور پر وہ بھی مذہب کو دقیانوسیت ہی کی علامت سمجھتے ہیں۔

جناب باسط بلال نے کہا کہ پوری انسانی تاریخ میں، اور ہر معلوم تہذیب میں، مذہب کو فرد اور معاشرے دونوں کے حوالے سے مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ موجودہ دور تاریخ میں ایک غیر معمولی حیثیت کا حامل ہے کہ اس دور میں مذہب کو رد کرنے والوں نے پہلی مرتبہ اکثریت حاصل کر لی ہے، اور مذہبی لوگ جو ہمیشہ سے معاشرے کے اہم ترین اور نمایاں ترین افراد ہوتے تھے، اب اپنا یہ مقام کھو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس عظیم تبدیلی کی تہہ میں کون سے عوامل کار فرما تھے؟

فاضل مقرر نے مذہب سے بے زاری کے دو اسباب کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ اولاً جب سائنسی انداز میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ بہت سی ایسی تحریریں اور عقائد جنہیں خدا کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، دراصل انسانی ذہن اور انسانی تاریخ ہی کی پیداوار ہیں، اور ثانیاً خود مذہب کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی تاریخ میں مخصوص ادوار آتے

© rasailojaraid.com

ہیں اور آج تقریباً تمام مذاہب اپنے آخری یعنی موت کے دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ پہلے سبب کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مغربی یورپ میں ۱۸ویں صدی کے اواخر اور ۱۹ویں صدی کے اوائل میں علوم عمرانی کا ارتقاء شروع ہوا تھا' جبکہ سائنس کی ترقی کا سلسلہ پہلے ہی دو صدیوں سے جاری تھا۔ جب مذہب ان علوم عمرانی کی تحقیق و تفتیش کا موضوع بنا تو بہت جلد یہ بات واضح ہونے لگی کہ مذہب کے بہت سے دعوے درست نہیں ہیں' مثال کے طور پر عہد نامہ قدیم پر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ عام خیال کے برعکس تورات صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی پر مشتمل نہیں ہے' بلکہ اسے درحقیقت پانچ مختلف افراد نے یا پانچ مختلف گروہوں نے کئی سو سال کے عرصے میں لکھا ہے۔ اسی طرح کی تحقیقات کے نتیجے میں بہت سے دیگر مذہبی عقائد' کتابوں' رسومات اور اداروں کے متعلق ثابت ہو گیا کہ انہیں خدا کی طرف منسوب کرنا غلط تھا اور یہ کہ یہ سب اصل میں انسانوں ہی کی پیداوار ہیں۔ ان تحقیقات کے نتائج نے مذہب سے وابستگی کا معاملہ بڑی حد تک کمزور کر دیا۔ اس کے بعد مختلف نظریات ابھرے جنہوں نے مذہب کے آغاز کو خدا کے بجائے انسانی ذہن اور انسانی معاشرے کی پیداوار ثابت کرنے میں کافی کامیابی حاصل کر لی۔ مثلاً کارل مارکس نے مذہب کو معاشی قوتوں کی آویزش کا نتیجہ قرار دیا' سگمنڈ فرائڈ نے مذہب کو انسان کے لاشعور کا شاخسانہ کہا' اور ایمیلی ڈر خائم نے مذہب کو اجتماعی اور عمرانی عوامل کا نتیجہ قرار دیا۔ دوسری طرف وہ دانشور جو مذہب سے مثبت طور پر ہمدردی رکھتے تھے' مذہب کا موثر دفاع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں کارل یونگ اور مرسیا ایلیاڈے کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

مذہب کے زوال کا دوسرا سبب بیان کرتے ہوئے جناب باسط بلال نے کہا کہ اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے مذہب کا تعلق عالم غیب کے ساتھ ہے' تاہم جب مذہب ہماری اس مادی دنیا میں آتا ہے تو تمام اشیاء کی طرح اس پر بھی بعض فطری قوانین منطبق ہونے لگتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہاں ہر چیز پیدائش' نشوونما' پختگی' زوال اور موت کے مراحل سے گزرتی ہے' چنانچہ مذہب پر بھی یہی تمام مراحل وارد ہوتے ہیں۔ فاضل مقرر

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

نے تاریخ مذاہب کے ایک نمایاں محقق رابرٹ ایل وڈ کے نظریئے کے حوالے سے کہا کہ ہر مذہب کی تاریخ میں پانچ ادوار آتے ہیں۔ پہلا دور "پیغمبرانہ عہد" (Apostolic Stage) کہلاتا ہے جس میں ایک فرد عالم غیب سے وحی پانے کا دعویٰ لے کر اٹھتا ہے۔ اس دور میں مذہب کے ماننے والے کم ہوتے ہیں اور انہیں ایذا پہنچائی جاتی ہے۔ اس دور میں مذہب ابھی اپنا تشخص قائم کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے، کیونکہ اس نئے مذہب کو معاشرے میں پہلے سے موجود مذہب کے مقابلے میں قدم جمانے کے چیلنج کا سامنا ہوتا ہے۔ اسی دور میں مذہب کے بنیادی اصول مرتب و مدون ہوتے ہیں۔ مذہب کی تاریخ کا دوسرا دور "حکمت اور حکومت کا عہد" (Wisdom and Imperial Stage) کہلاتا ہے۔ اس دور میں مذہب ایک غالب قوت کے طور پر قائم ہوتا ہے، اس کے بنیادی اصولوں میں مزید تفصیل کا رنگ پیدا ہوتا ہے، حصول علم کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور مذہب کے دنیاوی پہلو (یعنی قانون اور شریعت) پر توجہات کا ارتکاز ہوتا ہے۔ مذہب کی تاریخ کے تیسرے دور کو "زہد اور روحانیت کا عہد" (Devotional Stage) کہتے ہیں، جس میں یہ احساس شدت اختیار کرنے لگتا ہے کہ قانون پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے اور مذہب کا روحانی اور سری پہلو (esoteric dimension) نظرانداز ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس مرحلے میں زہد، روحانیت اور تصوف توجہات کا مرکز بننے لگتے ہیں۔ مذہب کے آغاز سے اس عہد کے اختتام تک اتنا وقت گزر چکا ہوتا ہے کہ مذہب کی تعلیمات پر بہت سے بیرونی نظریات اپنے اثرات کرنے لگتے ہیں اور یہ تعلیمات اپنی اصل حالت میں برقرار نہیں رہتیں۔ اس موقع پر مذہب "تجدید و اصلاح کے عہد" (Reformation Stage) میں داخل ہوتا ہے جس میں مذہب کی اصل اور خالص تعلیمات کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بالآخر یہ عہد بھی ختم ہو جاتا ہے اور مذہب اپنے آخری مرحلے میں داخل ہوتا ہے جسے "لوک کہانیوں کا عہد" (Folkloric Stage) کہتے ہیں۔ اس دور میں مذہب کے پیروکاروں کے پاس محض چند قصے اور کہانیاں رہ جاتی ہیں جن کے مفہوم سے وہ بالکل واقف نہیں ہوتے ہیں۔ مذہب اس دور میں چند رسومات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے جن پر

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

© rasailojaraid.com